AL-QALAM القلم
ISSN 2071-8683 E-ISSN 2707-0077
Volume 25, Issue, 1, 2020
Published by Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

مسلم فیمی نسٹ خواتین اور نصوص کی تعبیر نو: محرکات اور منہج کا مطالعہ

Muslim Feminists and Reinterpretations of Quranic Commandments: Study of Objectives and Methodologies

***Dr. Asia Shabbir**
****Dr. Mohsina Munir**

*Associate Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University Lahore, Pakistan
** Professor, Department of Islamic Studies,Lahore College for Women University Lahore, Pakistan

Abstract

Determining women's rights and their place in society had been a challenging task in human history. Islam has provided a solution to this debate in its divine teachings by encompassing multiple aspects of human needs, such as the legal boundaries, conduct and respect. Islam offers a comprehensive solution to the issue of women rights, which is based on justice and equality. The history of women rights movement is formally originated and deeply rooted in the West. In Muslim societies, women rights movement is understood as an imported thought from Western societies. Since it was not easy to incorporate this Western thought in the fundamental source of Islamic education, so activist women from some Muslim societies adopted a way to reinterpret the divine text of Islam by labeling it as "centuries-old scholarly asset" or "male-biased (misogyny)" explanations. On their self-originated plea, they rejected it; instead of understanding it in true sense. In Islam, we have all the set principles of explanation, eligibility and criteria to be the elaborator of Quran. In this scenario, Muslim Feminist scholars' research provides self-crafted Quranic interpretations to incorporate them with Western thoughts and demands which are contradictory to the original context of Quranic interpretations. The current study relates to the factors and motives of the scholarly works of Muslim feminist women Fatima Mernissi and Asma Barlas of interpreting Quranic text related to women. The impact of their efforts, as well as methodology of this published work is also provided in this study. Concluding our study, our findings about these self-crafted Quranic interpretations are that these are not harmonious to the general attitude of Islam, so the overall Muslim thought is not ready to accept them.

Key Words: Muslim feminism, Quran, reinterpretations, religious texts, objectives, methodology.

خواتین کے مقام و مرتبے اور حقوق و فرائض کا تعین انسانی تاریخ کے ہر دور میں ایک مشکل، لیکن اہم معاملہ رہا ہے۔اہمیت یہ ہے کہ معاشروں، سلطنتوں اور حتی کہ تہذیبوں کے عروج و زوال سے اس معاملے کا تعلق ہے،اور مشکل یہ ہے کہ الحادی نظریات وافکار ہوں یا مذاہب عالم کی تعلیمات و روایات، ہر جگہ اس حوالے سے افراط و تفریط ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔اسلام کا البتہ اس حوالے سے امتیاز یہ ہے کہ اس آخری الہامی دین اور آسمانی ہدایت

میں تکریمِ نسل آدم کے بنیادی تصور کی روشنی میں قانون واخلاق کو یک جا کر کے عالمِ نسواں کے مسائل کا ایک ایسا جامع حل پیش کیا گیا ہے جس کی نمایاں ترین خصوصیت عدل وتوازن ہے۔ اعتدال وتوازن کی اس خوبی کا درست اندازہ دیگر عقلی فلسفوں اور دینی روایات کے ساتھ تقابل سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کی چودہ صدیوں کی تاریخ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ تھوڑی بہت عملی کوتاہیوں اور مختلف خطوں کے مسلمانوں کے داخلی مسائل اور معاشرتی رسوم کے فرق کے باوجود، مسلمان معاشرں میں خواتین کے حقوق سے متعلق کوئی بڑی بے چینی دیکھنے میں نہیں آئی۔ مغرب میں جب انیسویں اور بیسویں صدی میں حقوقِ نسواں کی تحریکیں اٹھیں، اس وقت بد قسمتی سے مسلم ممالک سیاسی طور پر بھی، اور فکری لحاظ سے بھی مغربی استعمار سے مغلوب اور مرعوب تھے۔ اس مرعوبیت نے جس طرح زندگی کے دیگر شعبوں کو متاثر کیا اسی طرح خواتین کے طبقے میں بھی نفوذ حاصل کیا۔ چنانچہ عورتوں کی آزادی، مساوات، معاشی حقوق، سیاسی اداروں میں شرکت کے مواقع اور معاشرتی بندشوں کے خاتمے کی مغرب سے آنے والی آوازیں ان کے ہاں بھی پذیرائی حاصل کرنے لگیں۔

یہاں ضروری ہے کہ مختصراً واضح کیا جائے کہ مغربی معاشرے میں حقوقِ نسواں کے لیے مطالبات کا ایک مخصوص مذہبی اور معاشرتی پس منظر تھا۔ عیسائیت اور یہودیت میں تحریف اور مذہبی طبقے کی اجارہ داری کی ایک خاص صورت نے دین کو مشکل بنا دیا تھا۔ (قرآن مجید نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ)[1] ایسے میں جن مظلوم طبقات کے حقوق پامال ہوئے، خواتین بھی انھیں میں سے تھیں۔ دوسری طرف مغرب کا تہذیبی ورثہ روم ویونان سے آیا اور ان دونوں تہذیبوں میں بھی عورتوں کے حوالے سے افراط و تفریط تھی۔ چنانچہ مغربی عورت کا حقوق کا نعرہ بلند کرنا، جبکہ اس میں صنعتی انقلاب کے بعد حالات کی تلخیاں بھی شامل ہوگئی تھی، کسی قدر قابل فہم ہے۔ بعدازاں گزشتہ چند دہائیوں میں اس تحریک نے اپنے ایجنڈے کو اقوام متحدہ کے ملینیم ڈویلپمنٹ گولز(MDGs)اور پائیدار ترقی کے اہداف (SDGs) میں شامل کروا کر، اور ساری دنیا کی حکومتوں کو اس حوالے سے اقدامات کا پابند بنا کر بلاشبہ اپنی تاریخ کی بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ البتہ مغرب کی پیروی میں مسلمان عورت کا "حقوقِ نسواں" کی تحریک میں شریک ہونا، اس کے لیے اسلامی تہذیبی روایت اور دین کے بعض اہم مطالبات کو پس پشت ڈالنا، ان سب سے بڑھ کر آزادیٔ نسواں کی مغربی روش کی پیروی کے لیے دینی نصوص سے استدلال کرنا اور وہ نتیجے اخذ کرنا جو مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں نہیں کیے گئے تھے، یہ صورت حال علوم اسلامیہ کے کسی طالب علم کے لیے بڑے سنجیدہ

سوالات پیدا کرتی ہے۔ مثلاً یہ کہ مسلمان ملکوں میں ایک خاص طبقے کی خواتین کی ان کوششوں کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟ وہ خواتین جو قرآن وحدیث سے بعض خاص معاملات میں ایک نئی طرح کا استدلال واستنباط کر رہی ہیں، ان کے فہم دین کی بنیاد کیا ہے؟ ان کے نتائج فکر کیا ہیں اور ان اخذ کردہ نتائج کے استناد کا تعین کیسے ہو گا؟

موضوع کی اہمیت:

حقوقِ نسواں کے حوالے سے مسلم خواتین کی کوششوں کے مطالعے کی اہمیت علمی بھی ہے، معاشرتی بھی اور تہذیبی بھی۔ مسلمانوں کی علمی روایت کا یہ امتیاز رہا ہے کہ یہاں مرد و خواتین میں اس حوالے سے کوئی فرق نہیں برتا گیا۔ نبی ﷺ کے دور میں خواتین حصول علم کی سرگرمیوں میں مصروف رہیں۔ باجماعت نماز، خطبات جمعہ و عیدین، خواتین کے علمی حلقے اور حصول علم کے مواقع۔۔۔ کسی میدان میں خواتین کو محروم نہیں رکھا گیا۔ امہات المؤمنین، مسلم خواتین کی علمی سرگرمیوں کے لیے اسوہ اور نمونہ بنیں۔ ان کے حلقہ ہائے درس اور قرآن وحدیث کی اشاعت میں ان کا قائدانہ کردار کسی سے مخفی نہیں۔ امہات المؤمنین نے صرف روایت میں ہی حصہ نہیں لیا، بلکہ "درایت" اور علمی اختلاف کے میدان میں بھی نمایاں ہوئیں۔ انھوں نے کبار صحابہ کی بعض روایات کی اصلاح کی، اپنی فقہی آراء پیش کیں [2] اور حتیٰ کہ سیاسی معاملات میں بھی بصورت مشاورت اپنا حصہ ڈالا۔ مسلم خواتین کی یہ علمی روایت ہمیشہ مسلمان معاشروں میں جاری وساری رہی۔ بہت بڑے بڑے علماءامت ان کے خوشہ چین ہوئے۔ اپنے حقوق کے معاملے میں وہ حساس اور باخبر (vigilant) رہیں اور بارہا انھوں نے ان حقوق کا بڑی جرأت سے تحفظ کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے حضرت عمرؓ کو ٹوکا کہ آپ ہمارے گھر کے معاملوں میں کیوں مداخلت کرتے ہیں [3]۔ خولہ بنت ثعلبہؓ کا "مجادلہ" قرآن مجید میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ [4] حضرت ام سلمہ نے سوال کیا کہ مردوں کے لیے باہر کی دنیا کے سارے اجر والے کام ہیں اور ہم گھروں میں رہتی ہیں ہمارے لیے کیا ہے؟ [5] ایک لڑکی آئی، کہ میرے باپ نے جہاں نکاح کیا ہے، میں وہاں راضی نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسے نکاح کے باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دے دیا [6]۔ بریرہؓ، جو لونڈی تھیں، آزاد ہوئیں اور نبی ﷺ کی سفارش کے باوجود انھوں نے سابقہ شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا [7]۔ ہندہ زوجہ ابوسفیانؓ نے خود بتایا کہ شوہر نفقہ میں بخل کرتے ہیں، میں نکال لیتی ہوں، نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی [8]۔ یہ چند مثالیں صرف دور نبوی ﷺ کی ہیں۔ جبکہ معاشرہ قبائلت کے پنجوں سے چھڑایا جا رہا تھا اور اس وقت عرب کے لوگ عورتوں کو کچھ سمجھتے نہیں تھے۔ آگے چل کر مسلمانوں نے اسی

روایت کو نبھایا اور مسلم دنیا میں خواتین کے معاشی، معاشرتی اور قانونی واخلاقی حقوق کی ادائیگی کا تسلسل حکم الٰہی کی تعمیل اور سنت رسولؐ کی پیروی میں جاری رہا۔

چنانچہ اسلام کے بارے میں اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ یہاں بھی علم دین اور قرآن وحدیث کی تفسیر و تشریح کے میدان میں مردوں کی اجارہ داری رہی ہے۔ تو یہ علمی اور تاریخی، دونوں اعتبار سے بالکل غلط ہوگا اور کسی نئی "زنانہ تعبیر" پیش کرنے کے لیے یہ ایک کمزور دلیل ہوگی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات سے، نبی ﷺ کی ذاتی زندگی کے اُسوے سے، اور خطبۂ حجۃ الوداع اور ان نبوی وصیتوں سے اور جو عورتوں کے حوالے سے احکام وہدایات نبی مہربان ﷺ نے دیں، علماء امت عورتوں کے حقوق کے حوالے سے ہمیشہ حساس رہے۔ فیمینسٹ انسائیکلوپیڈیا میں ہمیں یہ اعتراف ملتا ہے کہ عصر حاضر میں حقوق نسواں کے معاملات میں جہاں کوئی اونچ نیچ ہوئی، مسلمان ممالک میں ان مسائل کو اولاً مسلمان مردوں نے ہی اٹھایا[9]۔ برصغیر کی مثال سامنے رہے کہ انگریزی استعماری دور میں جب مسلمانوں کا اپنا "قضائے شرعی" کا نظام باقی نہیں رہا تو مسلم علمانے طلاق وخلع اور دیگر مسائل میں خواتین کے ساتھ زیادتی کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنی فقہ کے دائرے سے باہر نکل کر (حتیٰ کہ روایت شکنی کرکے) ان مسائل کے شرعی حل پیش کیے۔ ان تحریروں کو پڑھتے ہوئے ہمہ وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ خواتین کے لیے کس قدر ہمدردانہ جذبات کی روشنی میں شرعی قوانین کے عصری اطلاق کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی "الحیلۃ الناجزہ" اور مولانا مودودیؒ کی "حقوق الزوجین" گزشتہ صدی کی تیسری چوتھی دہائی میں برصغیر میں ہونے والی ایسی کوششوں کا ایک نمونہ ہیں۔ یہ کوششیں مصر میں بھی ہوئیں اور دنیا کے دیگر خطوں کے اہل علم کی طرف سے بھی۔

اس موضوع کی اہمیت کی تیسری جہت یہ ہے کہ مسلم خواتین نہ مظلوم ومقہور ہیں اور نہ مرد اہل دین کے "خواتین کش" رویوں کا شکار۔ اسلام میں "اجتہاد" کے اصول نے اس دین میں اتنی لچک پیدا کی ہے کہ انسانی زندگی کے کسی دور میں یہ مسائل کے حل سے قاصر نہیں رہا۔ البتہ یہ اہتمام کیا گیا کہ اجتہاد کا یہ بنیادی اصول پیش نظر رہے کہ استنباط کی بنیاد قرآن وحدیث ہوگی، ہوائے نفس اور اتباع زمانہ نہیں۔ اجتہاد کی اہلیت کا معیار پیش نظر رکھا جائے گا اور اسلامی قانون کی تعبیر و تشریح کا اختیار ماہرین کا ہوگا، ہر کس وناکس کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طبّی معاملات ہوں یا آج کی پیچیدہ معیشت کے مسائل، اہل علم نے امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ معاملہ انفرادی طور پر بھی جاری ہے، مختلف خطوں کے دارالافتاء کی صورت میں بھی اور عالمی سطح پر فقہی

مجامع (Fiqh Councils) کی صورت میں بھی۔۔۔ مثلاً مجمع الفقہ الاسلامی جدہ، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا اور یورپین فتویٰ کونسل وغیرہ، جہاں مسلم علماء اور متعلقہ میدان کے سائنسدان، ڈاکٹر اور ماہرین بیٹھ کر شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ اسلامی اجتہاد کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی پوری تاریخ میں اس نے کسی دباؤ کو قبول نہیں کیا۔ خواہ وہ ملکی یا ریاستی سطح کا ہو یا بین الاقوامی۔ چنانچہ نئی تشریحات، تعبیرات، بلکہ ''تشریعات'' پیش کرتے ہوئے قدامت پسندی، سیاسی دباؤ یا مردانہ تعصب کا الزام کم از کم اسلامی قانون اور شریعت پر نہیں لگایا جا سکتا۔

تعبیرِ نصوص کی تہذیبی جہت: قابل غور پہلو:

فیمی نسٹ خواتین کی تعبیر نصوص کی کوششوں کی چوتھی جہت البتہ تہذیبی ہے، اور قابل غور۔ آج مغربی تہذیب، افکار اور نظریات کا دنیا بھر پر غلبہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور مسلمان معاشرے اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، خاص طور پر مسلمانوں کا طبقہ اشرافیہ۔ استعماری دور سے ہی اس طبقے نے مغربی انداز واطوار کو اختیار کرنا شروع کیا اور پھر اس میں مسلسل اضافہ ہوا۔ جدید تعلیم اور سیاسی میدان میں مسلم ممالک میں یہی لوگ، مرد و خواتین، آگے بڑھے اور گزشتہ چند دہائیوں میں اس طبقے کی خواتین نے ''حقوق نسواں'' کی مغربی تحریکوں کی پیروی میں مسلمان ملکوں میں بھی ایسی تحریکات کا آغاز کیا[10]۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان معاشرے فیمی نسٹ تحریکوں کو ''درآمدی'' اور ''استعماری'' فکر سمجھتے ہیں۔ معروف مصنفہ اسماء برلاس اسی تناظر میں اپنے آپ کو فیمی نسٹ کہلانے انکار کرتی ہیں[11]۔ چونکہ اسلامی تعلیمات کے بنیادی مصادر، یعنی قرآن و سنت سے اس درآمدی فکر کے دلائل مہیا کرنا آسان نہیں تھا، چنانچہ اس حوالے سے متحرک خواتین نے نصوص کی تعبیر نو کا راستہ اختیار کیا۔ مسلمانوں کے صدیوں کے علمی ذخیرے کو مردانہ تعصب کی روشنی میں بیان کردہ تشریحات (Patriarchal & Misogynist) قرار دے کر رد کرتے ہوئے اپنی طرف سے نئی تشریح و تفسیر اور تعبیر و تاویل کی کوششوں کا ڈول ڈالا۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ ان خواتین کے قرآن و سنت پر ''غور و فکر'' نے انھیں جن نتائج تک پہنچایا وہ مغربی عورت کے تہذیبی طور طریقے اور مغربی حقوقِ نسواں کی تحریکوں کے مطالبات ہیں۔ مثلاً عورت کی بے مہار آزادی، مساوات مرد وزن، بے حجابی، مخلوط معاشرت کی اجازت، خاندانی زندگی میں مرد اور عورت کے مقام اور کردار سے متعلق اسلامی احکام و ہدایات سے بغاوت اور نفور وغیرہ۔ گویا اس بات کی کوشش کہ وہ تصورات جنھیں معاشرہ ویسے قبول نہیں کر رہا، انھیں اسلامی مآخذ سے ثابت کر کے قابل قبول بنایا جائے۔

مسلم ممالک میں حقوق نسواں؛ مغرب کا دباؤ اور دلچسپی:

نصوص کی تعبیر نو میں فیمی نسٹ خواتین کے تفردات کے محرکات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حوالے سے مغرب کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان تحریکات اور کاوشوں کی حوصلہ افزائی بھی وہاں سے ہو رہی ہے اور مسلمان حکومتوں سے اقدامات کے مطالبات بھی، کہ آپ کے معاشروں کے اندر سے "اصلاح" (Reformation) کی یہ آوازیں جو بلند ہو رہی ہیں، انھیں سنا جائے۔ آخر مسلمانوں میں مذہبی اصلاح کے اس خاص دائرے، یعنی معاشرے میں عورت کا مقام و مرتبہ اور خواتین کے لیے شرعی احکام و ہدایات سے مغربی دنیا کو کیا دلچسپی ہے کہ وہ اس معاملے میں "زور زبردستی" کرنے سے بھی نہیں شرماتی؟

اس کی ایک بڑی مثال لندن کے مشہور سیاسی جریدے اکانومسٹ میں شائع ہونے والا ایک مضمون ہے جس کا معروف دانشور، خرم مراد نے اپنی کتاب "مغرب اور عالمِ اسلام" میں ذکر کیا، کہ مغرب بہتر تعلقات قائم کرنے کے لیے مسلم معاشروں میں کیا تبدیلیاں چاہتا ہے[12]۔ "اسلام کا سروے" نامی اس مفصل مضمون کے مصنف نے علاوہ دیگر مطالبات کے، عورتوں کے حوالے سے بھی ایجنڈا پیش کیا ہے۔ یہ ایک اہم مطالبہ ہے کہ مسلم دنیا عورت کو آزاد کرے اور اسے معاشی خود کفالت دے۔ اسلام کی تشریح اور اجتہاد میں علماء کے حق کو ختم کرے جس کو انھوں نے ہائی جیک کر رکھا ہے اور مسلم عوام بھی یہ سمجھتے ہیں کہ صرف علماء کی تعبیر آزادانہ ہوتی ہے۔ آگے چل کر مضمون نگار نے لکھا کہ یہ علماء عورت کی آزادی کو روک کر بیٹھے ہیں۔ صدیوں پہلے انھوں نے عورت کے حوالے سے جو غلط اجتہاد کیا، آج بھی اسی پر قائم ہیں۔ اگر عالم اسلام عورت کو وہ مساوات دینا چاہتا ہے جو کم و بیش قرآن نے دی ہے تو اسے معاشرے پر علماء کی گرفت کو توڑنا ہو گا[13]۔

مغربی دنیا میں اسلامی فیمی نزم کی تعریف ہی یہ ہے کہ یہ اصلاح کی تحریک ہے اور اس حوالے سے متحرک خواتین اصلاح مذہب کی علم بردار ہیں۔ Erich Kolig لکھتا ہے۔

"Islamic feminism argues for the return to the appreciation of women as it allegedly was at the prophet's time, but which subsequently became eroded, relegating women again to the status for inferiority as it has been in the pre-Islamic time."[14]

مسلم فیمی نسٹ خواتین کے نام بطور مثال پیش کرتے ہوئے ہوئے مصنف نے لکھا:

"For example, Fatima Mernissi and Amina Wadud, opponents see this argument as no more than an offshoot of western feminism and essentially un- Islamic."[15]

اسلام میں "اصلاح" کی ضرورت کے احساس کے لیے بھی انھیں خواتین کو حوالہ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر رفعت حسن کا اقتباس نقل کرتے ہوئے امریکی یونیورسٹی کی سوشیالوجی کی پروفیسر Lisa Hajjar نے اپنے آرٹیکل "Domestic violence and Sharia: A Comparative Study of Muslim Societies in Middle East, Africa and Asia" میں گھریلو تشدد کے معاملے میں اسلام کو "صحیح طرح" سمجھنے کی ضرورت کا ذکر یوں کیا ہے:

"God, who speaks through the Quran is characterized by injustice and … can never be guilty of Zulm (Unfairness, that sanction tyranny, oppression and wrong doing) Hence the Quran, as God's word cannot be made the source of human injustice. Thus an argument can be made (and indeed is being made) that sharia does not sanction any form of violence against women, and that interpretations and applications to tolerate violence, derived from mistaken social perceptions and enduring customs that run counter to the fundamental injunctions of sharia of mutual kindness and respect".[16]

نیویارک سے چھپنے والی ایک اور کتاب "Women in Islam and the Middle East" میں بھی اسلامی فیمی نزم کی تعریف کرتے ہوئے، کہ یہ "حقیقی اسلام" کی طرف لوٹنے کی ایک کوشش ہے، اس بات کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے کہ مسلم فیمی نسٹ خواتین کی طرف سے قرآن وحدیث اور سیرت کو اس طرح سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے مساوات مردوزن کو ثابت کیا جاسکے۔ اس کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ ایک طریقہ فاطمہ مرنیسی کا ہے جو قرآن وحدیث کے منتخب حصوں پر توجہ دیتی ہیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی مصادر کی مکمل تشریح ہی فیمی نسٹ طریقہ پر کر دی جائے (جیسے کہ لیلی بختیار کا ترجمہ قرآن)

"Islamic Feminism, as I understand, it is a return to the bedrock of Islam… one method of dealing with these (basic Islamic) sources is by selective quotation. It is for this reason that Fatima Mernissi has established a research Centre in Morocco to collect and disseminate Islamic materials supporting women rights."[17]

اسی عبارت میں آگے چل کر زیادہ تعریف دوسرے طریقے کی کی گئی ہے جس میں پورے متن کی نسوانی تشریح کے ساتھ "متبادل معنی" بھی پیش کیے جائیں۔

"More interesting are the attempts to reinterpret primary Islamic sources by feminist of neo-traditional methods. Several Muslim women

have attempted feminist exegesis of Quran, sometime going so far as to reinterpret the meaning of a crucial word… the best introduction of this fascinating subject is to read the primary source material with an open mind and re-read them in a search for alternative meanings.” [18]

نیو یارک ٹائمز نے لیلی بختیار کے ترجمہ قرآن کی پذیرائی کرتے ہوئے لکھا کہ اس لبرل تشریح نے ثابت کر دیا ہے کہ اب مسلمان خواتین عہد وسطی کی تشریحات سے جان چھڑانا چاہتی ہیں۔

“Liberal commentators, particularly, say the usual interpretation reflect the patriarchal practices of Arabian Peninsula. This school holds that the sacred texts have become encrusted with medieval traditions that need to be scrapped off like a layer of barnacles”.[19]

چنانچہ خواتین کے حوالے سے عالم اسلام پر دین میں اصلاحات کے لیے دباؤ اور مسلمان فیمی نسٹ خواتین کی "دینی تعبیرات" کی تحسین اور حوصلہ افزائی، مغربی رویے کے دو ایسے مظاہر ہیں جن کی وجہ سے مسلمان اس بدگمانی کا شکار ہوتے ہیں کہ اس ''پردۂ زنگاری'' کے پیچھے کوئی اور ہے۔

مسلم فیمینسٹ خواتین کی کتب سے، آنے والے صفحات میں دیے گئے اقتباسات سے اندازہ ہو سکے گا کہ تعبیر نو کی داعی ان خواتین نے عین وہی لب ولہجہ اختیار کیا ہے، جس کا مغربی دنیا مسلمانوں سے مطالبہ کر رہی تھی۔ ان خواتین کی تحریر و تقریر میں علماء اور ملا پر تنقید کے ساتھ ساتھ "اصلاح" کے مطالبات ہیں۔ انہی خواتین کی مغرب میں پذیرائی کی جاتی ہے۔ انہی کے لیے مغربی اداروں کے پاس ایوارڈز ہیں، مغرب کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے مواقع ہیں اور پبلک فورمز پر اسلام کا موقف پیش کرنے کے لیے انھیں کو مدعو کیا جاتا ہے۔

فاطمہ مرنیسی:

فاطمہ مرنیسی 1940-2015 کو اسلامی فیمی نزم کی بانی خواتین میں شمار کیا جاتا ہے۔ مراکش کے اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والی فاطمہ نے مراکش میں ابتدائی تعلیم فرانسیسی فنڈڈ سکول میں حاصل کی۔ محمد خامس یونیورسٹی سے سوشیالوجی میں ماسٹرز کیا۔ فرانس میں کچھ عرصہ صحافی کے طور پر کام کیا۔ امریکہ سے سیاسیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور واپس مراکش آکر محمد خامس یونیورسٹی میں سوشیالوجی کی پروفیسر مقرر ہوئیں۔ نصف درجن کے قریب کتابیں لکھیں، دسیوں مضامین تحریر کیے اور اسلام میں مسلمان عورت کے حقوق کے بارے میں لیکچر دینے کے لیے مغرب کی بڑی یونیورسٹیوں میں مدعو کی جاتی رہیں۔ بہت سے مغربی اداروں سے ایوارڈز حاصل کیے[20]۔ فاطمہ کی پہلی کتاب 1975 میں شائع ہوئی:

"The Veil And The Male Elite: A Feminist Interpretation of Women's Rights in Islam"

اس کتاب کو مسلم فیمی نزم میں Classic کا درجہ دیا جاتا ہے۔ مصادر اسلامیہ پر ''نقد'' کے حوالے سے اہل مغرب کے ہاں اس کتاب کا بڑا چرچا ہے [21]۔ ذیل میں فاطمہ مرنیسی کی اسی کتاب سے مصنفہ کے نتائج فکر اور منتخب تعبیرات پیش کی جارہی ہیں جن کا مقالہ کے آخر میں تجزیہ مقصود ہے۔

اس کتاب کے مقدمے میں فاطمہ مرنیسی نے اپنی اس کاوش کو مسلم خواتین کے انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ، خود اسلام کا "مقدمہ" بنا کر پیش کیا ہے۔ فاطمہ کے خیال میں اس دور میں، جب مرد وزن کے لیے بلا امتیاز انسانی حقوق کا پوری دنیا میں غلغلہ ہے، صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس پر خواتین کے حقوق کے معاملے میں رکاوٹ بننے پر مغرب میں تنقید ہو رہی ہے۔ فاطمہ کے خیال میں مغرب میں مذہب کو کوئی خطرہ نہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ یہودی و مسیحی روایت وہاں پوری طرح جاری و ساری ہے اور یہ مذاہب خواتین کے حقوق کے معاملے میں رخنہ اندازی نہیں کرتے۔ یہاں فاطمہ مسئلہ واضح کرتی ہیں کہ مسلم معاشروں میں مردوں نے حقوق نسواں کو انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے اور خواتین پر پابندیوں کو مذہبی تقدس کا لبادہ اوڑھا رکھا ہے، جبکہ قرآن و حدیث کو دیکھا جائے اور تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو اس "سازشی گروہ"(elite faction) کے چنگل سے چھڑا کر، اسلامی متون اور تاریخ کا مطالعہ خود سے، دوبارہ سے اور خواتین کے نقطہ نظر سے کیا جائے [22]۔

کتاب کے حصہ اول سے پہلے Introduction کے عنوان سے گیارہ صفحات شامل ہیں جن کا اختتام معنی خیز ہے اور اس کتاب کے محتویات کا ترجمان:

"So let us raise the sails and lift the veils – the sails of the memory-ship. But first let us lift the veils with which our contemporaries disguise the past in order to dim our present."[23]

فاطمہ مرنیسی نے اپنی اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور پہلے حصے کا عنوان ہی اس کے متن کو واضح کر رہا ہے، یعنی نصوص کا استعمال بطور سیاسی ہتھیار "Sacred Text as Political Weapon"، تقریباً ستر صفحات پر مشتمل اس حصے کے چار ذیلی ابواب ہیں۔ پہلے باب "The Muslim Time" میں مصنفہ نے ایک مراکشی مصنف الجابری کے حوالے سے مفصل بحث کی ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں، یعنی عصر تدوین ہی میں مسلم ارباب سیاست نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنا اقتدار اس صورت قائم رکھ سکتے ہیں جب وہ ماضی کو

مقدس معیار بنا کر استعمال کریں حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ مردہ ماضی (Dead Past) کی بجائے مستقبل پر نظر رکھی جاتی جیسا کہ مغرب نے کیا ہے اور نتیجۃ ترقی کی ہے[24]۔اس حوالے سے مسلم دنیا کی کافی مذمت کے بعد باب کے آخری حصے میں لکھتی ہیں کہ ماضی کی طرف لوٹنے کا مطلب تو "ترقیِ معکوس" ہے۔آج کی خواتین اس پر ہر گز راضی نہیں ہیں کہ وہ "نقاب" کی طرف لوٹیں، مطیع بن کر رہیں اور اس انقلابی اسلام سے دست کش ہو جائیں جو محمد ﷺ نے پیش کیا تھا، یعنی خواتین کا فعال معاشرتی کردار[25]۔اس پورے باب میں مسلم معاشرے، خصوصاً مراکشی معاشرے سے مثالیں دی گئی ہیں کہ حضور ﷺ سے احادیث منسوب کر کے، عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق سے قانونی طور پر کیسے محروم کیا گیا ہے[26]۔

اسی غرض کے لیے فاطمہ نے تعارفی باب اور مقدمے میں اصرار کیا ہے کہ اسلام کے ماضی کو کھنگالنے اور نصوص کی تعبیر نو کی ضرورت ہے کیونکہ نہ قرآن، نہ پیغمبر اور نہ حقیقی مسلم روایت نے ان حقوق کا انکار کیا ہے۔ صرف مردوں کی اشرافیہ کو اس سے مسئلہ ہے اور اپنے سطحی، جانبدار اور انا پرستی پر مبنی موقف کو انہوں نے مذہبی بنیاد پر پیش کیا ہے:

"When I finished writing this book ,I had come to understand one thing, if women rights are a problem for modern Muslim men, it is neither because of the Koran, nor the prophet, nor the Islamic tradition, but simply because those rights conflict with the interests of a male elite- The elite faction is trying to convince us that their egotistic, highly subjective and mediocre view of culture and society has a sacred base." [27]

مصنفہ کے خیال میں اس کا حل یہ ہے کہ "ملا اور امام" کے بتائے گئے تصورات سے ہٹ کر متن قرآن کا مطالعہ کیا جائے۔

"(Misogynistic attitude) indicated me the path I should follow to better understand it. A study of the religious text that everybody knows but none really probes, with the exception of authorities on the subject, the mullahs and imams".[28]

ان کے خیال میں سیاست، مسلم خواتین کے لیے کبھی شجر ممنوعہ نہیں رہی، دلیل حضرت عائشہؓ کا جنگ جمل میں کردار ہے۔یہ علماء کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں عورتیں سیاسی میدان میں نہیں رہیں اور حضرت عائشہؓ کے اس عمل کو بھی وہ بدعت اور اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں، حالانکہ ایسا حقیقت میں تھا نہیں۔اس جرأت مندانہ اقدام کو جھوٹی احادیث گھڑ کر متنازعہ بنایا گیا اور ایسی ہی وجوہ ہیں حدیث گھڑے جانے کی۔

"Since all power, from the seventh century on, was only legitimated by religion, political force and economic interests. Pushed for the fabrication of false traditions. A false Hadith is testimony that the prophet is alleged to have done and said such and such, which would then legitimate such an act and such an attitude".[29]

کتاب کا دوسرا باب حدیث نبویؐ کے بارے میں ہے۔ مصنفہ کے خیال میں سیاسی مصلحتوں کی خاطر جھوٹی احادیث گھڑی گئیں۔اس سے اختلاف میں اضافہ ہوا۔ وجہ سیاسی غلبہ کی کوشش تھی،اور یہ پیغمبرؐ کی تدفین سے بھی پہلے شروع ہوگئی تھی۔ تین دن ایک کونے میں جسد خاکی پڑا رہا،نہ غسل نہ تدفین۔۔۔ حتی کہ سیاسی قضیہ طے ہوا۔۔۔اور پھر تدفین ہوئی۔[30]

"The problem of Hadith come up after the death of the Prophet…In order to protect themselves against political terror and violence, the Muslims plunged into a systematic collection of Hadith: what did the prophet say about civil war; How is the Muslims to behave in such a case? Who among the various pretenders to the caliphate, is the best qualified one to be chosen… In a time of crises, Hadith emerges as a formidable political weapon." [31]

بعد میں عثمانؓ اور علیؓ کے دور کے اختلافات میں مزید احادیث گھڑی گئیں حتی کہ بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے سات ہزار دو سو پچھتر کا انتخاب کیا۔ یہاں فاطمہ مرنیسی نے عجیب استدلال کیا ہے۔۔۔ چھ لاکھ میں سے بخاری کی یہ منتخب احادیث نکال دیں تو باقی سب قابل اعتماد نہ تھیں۔ یہ حال نبی کی رحلت کے دو سو سال بعد تھا تو آج کیا ہے؟ احادیث کو مرتب کرنے والے سب بخاری کی طرح عادل نہ تھے۔ بہت سے لوگوں کو مالی اور سیاسی لالچ لاحق تھے اور انھوں نے وہ سب جمع کیا جو انھیں ملا۔

"If at the time of Al-Bukhari… That is less than two centuries after the death of the prophet… there were already 596,725 false Hadith in circulation (600,000 minus 7275 plus 4000) it is easy to imagine how many there are today- The most astonishing thing is that the skepticism that guided the work of the founders of religious scholarship has disappeared today".[32]

اسی طرح فاطمہ نے خود بھی لکھا اور طٰہٰ حسین کا حوالہ بھی دیا کہ وہ جاہلی شاعری، جس سے قرآن کی تفسیر میں استفادہ کیا جاتا ہے، وہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ خلاصہ اس باب کا یہ ہوا کہ مقدس متون سارے کے سارے مالی و سیاسی مفادات کی خاطر اور سازش کے تحت گھڑے گئے۔

کتاب کے تیسرے اور چوتھے باب کا عنوان بجائے خود الزام ہے A Tradition of Misogyny (I) (II)

تیسرے باب میں فاطمہ مرنیسی نے اس حدیث پر بحث کی ہے جس کا ذکر اس کتاب کے تعارف میں بھی دیا گیا ہے یعنی "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس کی زمام کار عورت کے ہاتھوں میں ہو"۔ تیرہ صفحات کا یہ پورا باب اس حدیث کے راوی حضرت ابو بکرہؓ پر تند و تیز تنقید پر مشتمل ہے۔ جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

* فاطمہ مرنیسی نے اولا مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اس مشہور الزام کو دہرایا ہے کہ دور تدوین میں بہت سے سیاسی واقعات، وضع حدیث کا سبب بنے[33]۔
* دوسرے، فاطمہ کے مطابق اس حدیث کے راوی کے حالات دیکھنے کی ضرورت ہے، جو گواہی دیتے ہیں کہ یہ حدیث انہوں نے (اس میں بیان کردہ واقعہ کے) پچیس سالوں بعد بیان کی۔ اس وقت انہیں یہ اچانک کیوں یاد آئی، جبکہ اس سے پہلے انہیں یہ بات کبھی یاد نہیں آئی تھی۔ فاطمہ مرنیسی کے مطابق غلامی کا پس منظر رکھنے والے یہ صحابی بہت علمی و عملی صلاحیتیں بھی نہیں رکھتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد جب وہ مال و دولت، اور عزو شرف سے متمتع ہو چکے تو وہ نہیں چاہتے تھے کہ سیاسی انتشار پھیلے اور بصرہ میں وہ جس آسائش کی زندگی گزار رہے ہیں، اس کو کوئی خطرہ لاحق ہو اور وہ پرانی قابل رحم زندگی کی طرف لوٹ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے پچیس سال بعد (جنگ جمل کے موقع پر) من گھڑت حدیث بیان کی کہ سیاسی میدان میں عورتوں کا ساتھ دینا غلط ہے۔
* راوی حدیث پر "جرح" کرتے ہوئے فاطمہ نے ابو بکرہؓ پر دور فاروقی میں قذف کے ایک معاملے میں حد کو بھی بنیاد بنا کر کہا ہے کہ ان کی حدیث مالکی فقہ کی رو سے قبول نہیں کی جاسکتی۔
* حضرت ابو بکرہؓ کی شخصیت، حالات و معاملات پر بارہ صفحات پر مشتمل تنقید کے بعد فاطمہ مرنیسی نے مشورہ دیا ہے کہ صرف یہی حدیث ایسی نہیں ہے۔ اور احادیث بھی مردانہ تعصب پر مبنی ہیں۔ چنانچہ احادیث سے استدلال کے وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔

"I can only advise redoubled vigilance when taking the sacred as an argument. We will see that this misogynistic Hadith, although it is exemplary, is not a unique case."[34]

چوتھے باب کا تذکرہ اگر مختصر بھی کر دیا جائے تو اس میں حضرت ابوہریرہؓ پر تند و تیز تنقید ہے، دیگر صحابہ بھی جس کی زد میں آئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، کہ یہ لوگ خواتین سے نفرت کی بنیاد پر اور ان کے معاشرتی مقام کو گرانے کے لیے---ان کے خلاف احادیث گھڑتے تھے، اور ان پر حضرت عائشہؓ اور دیگر خواتین سخت تنقید کیا کرتی تھیں۔ سب سے زیادہ روایتیں بیان کرنے والے صحابیٔ رسول کے بارے میں فاطمہ کی تنقید کے چند نکات درج ذیل ہیں:

* ابوہریرہؓ ان کا لقب تھا، females سے نفرت کی وجہ سے ابوہر کہلانا پسند کرتے تھے۔
* بقول عائشہؓ کے، وہ اچھا سننے والے good listener نہیں تھے، جو سوال پوچھا جاتا، اس کا غلط جواب دیتے تھے۔
* حضرت عمرؓ نے ان کو زیادہ حدیثیں بیان کرنے پر ڈانٹا ڈپٹا اور مدینے سے نکال دینے کی دھمکی دی۔
* اپنے کمزور حافظے کے حوالے سے انہوں نے کہانی گھڑی۔۔۔ کہ انھوں نے چادر بچھائی، اور احادیث سننے کے بعد نبیؐ نے انہیں اس چادر اکٹھا کر کے اٹھانے کو کہا اور پھر ان کا حافظہ اچھا ہو گیا- فاطمہ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"Telling the story of cloak was not the best way to be convincing in religion like Islam, which has a horror of mysteries of all sorts, where Muhammad resisted the pressure of his contemporaries to perform miracles and magical acts".[35]

حکم حجاب اور فاطمہ مرنیسی:

اس کتاب کے دوسرے حصے میں خواتین کے سیاسی مناصب سے متعلق حدیث کے بعد فاطمہ مرنیسی نے قرآنی حکم حجاب کا بھی "تجزیہ" کیا ہے۔ اس تجزیے کے چند نکات کا مطالعہ دلچسپ اور قابل غور ہے۔

پانچویں باب سے شروع ہونے والی یہ بحث **The Hijab, the Veil** کے عنوان سے ہے جس کا آغاز ہی فیصلہ کن ہے۔ فاطمہ کے خیال میں یہ حجاب مردوں اور عورتوں کے درمیان نہیں، بلکہ دو مردوں کے درمیان حائل کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں بیان کیا گیا ہے[36]۔ آگے چل کر وہ یہ تجزیہ کرتی ہیں کہ مرد عورت نہیں، بلکہ دو مردوں کے درمیان پردے کے ذریعے علیحدگی پیدا کروانے والی جس آیت کو "آیت حجاب" قرار دیا جاتا ہے، اس کے نزول کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک وجہ معاشرتی تھی۔ لوگوں میں آداب اور تہذیب کی کمی تھی۔ حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کے بعد مہمان اٹھ کر جا نہیں رہے تھے، نبی ﷺ اپنے حلم اور

برداشت کے باوجود پریشان ہوئے تو یہ آیات اتریں، اور دراصل یہ حکم بلا اجازت گھروں میں داخل نہ ہونے سے متعلق تھا۔

"Verse 53 of Sura 33 is regarded by the founders of religious knowledge as the basis of the institution of the Hijab…. A careful rereading of this verse reveals to us that Allah's concerns in this verse are about tact. He wanted to intimate to the companions certain niceties that they seemed to lack, like not entering a dwelling without asking permission".[37]

دوسری وجہ تاریخ سے پتہ چلتی ہے کہ منافقین نبی کریم ﷺ کو ان کے گھر والوں کے بارے میں اذیت دیتے تھے حتی کہ ایسی باتیں، کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد ہم ان خواتین سے شادی کریں گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو اس اذیت سے بچانے کے لیے حجاب کا حکم اترا اور اسی سورۃ میں ازواج رسول ﷺ سے نکاح بھی حرام کر دیا گیا۔

تیسری جہت اس حکم کو دیکھنے کی لسانی ہے۔ یہاں فاطمہ مرنیسی نے لسان العرب کی روشنی میں لفظ حجاب کے کئی معنی اور اس لفظ کے عربوں کے ہاں استعمال کے بارے میں لکھا ہے۔ چھپا لینا، الگ کرنا، ممنوعہ قرار دینا، حجابہ وہ منصب تھا جس کے حامل کے پاس کعبہ کی کلید ہوتی تھی۔، حاجبین بھنویں ہیں جو آنکھوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ صوفیہ کے ہاں حجاب کے معنی منفی ہیں۔ وہ رکاوٹیں جو انسان کی روحانی ترقی میں حائل ہو جاتی ہیں۔ اس کا متضاد "کشف" ہے جو مثبت کیفیت ہے۔

"For the sufi master Al- Hallaj, it is the constant seeking of God that allows one to go beyond the hijab that imprisons our consciousness. Men lose their way in a dark night while searching for you and perceive nothing but hints. For mystics the opposite of Hijab is kashf, the discovery".[38]

(لغت میں) یہ تھا حجاب کا وسیع تصور" جسے کپڑے کی ایک دھجی تک محدود کر کے مسلمان عورت کے چہرے پر چڑھا دیا گیا ہے کہ وہ باہر جاتے ہوئے اس سے چہرہ چھپا لے'۔' فاطمہ مرنیسی نے بحث کے آخر میں تلخ تبصرہ کیا ہے۔

"So we see that the concept of the hijab is a key concept in Muslim civilization, just as sin in the Christian context, or credit is an American capitalist society. Reducing or assimilating this concept to a scrap of cloth that men have imposed on women to veil them when they go into the street is truly to impoverish this term, not to say to drain it of

its meaning, especially when one knows that the hijab, according to the Koranic verse and al-Tabari's explanation, "descended" from the Heaven to separate the space between two men".[39]

لغت کے بعد، فاطمہ قرآن مجید میں لفظ حجاب کے استعمال پر توجہ دیتی ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ، ان کے مطابق سات مرتبہ آیا۔ ایک حضرت مریم کا حجاب میں بیٹھنا۔ دوسرا الاحزاب کی آیات۔ جن میں فاطمہ کے خیال میں حضرت عمرؓ کے مشورہ پر نبی ﷺ کی بیویوں پر حجاب کا حکم نافذ کیا گیا۔

"It is the separate establishment (later the gynaceu) which was imposed at first only on the wives of the prophet apparently on the advice of Umer".[40]

اس کے علاوہ قیامت کے دن کامیاب لوگ حجاب کے ذریعے الگ کر دیے جائیں گے. وحی وراء حجاب ہے اور کافروں کے دلوں پر حجاب کا ذکر۔ یہ کل تذکرہ "حجاب" ہے قرآن مجید میں, یوں فاطمہ مرنیسی نے معاشرتی، تاریخی، لغوی اور قرآنی، چاروں حوالوں سے حجاب کے معنی "مسلم خواتین کے پردے" سے متعلق ہونے کو سختی سے مسترد کیا ہے۔

"So it is strange indeed to observe the modern course of this concept, which from the beginning had such a strongly negative connotation in the Koran. The very sign of the person who is damned, excluded from the privileges and spiritual grace to which the Muslim has access, is claimed in our day as a symbol of Muslim identity ,manna for the Muslim woman".[41]

سیوطیؒ کے اسباب نزول کے حوالے سے بھی بحث کرتے ہوئے فاطمہ مرنیسی ثابت کرتی ہیں کہ واقعہ جو تھا، (کہ مہمان اٹھ کر جا نہیں رہے تھے) اور نتیجہ جو نکلا، کہ مسلمان عورتوں پر قیامت تک پردہ "مسلط" کر دیا گیا، دو دنیائیں ہی الگ کر دی گئیں، مردوں کی اور عورتوں کی۔۔ یہاں واقعے اور حکم کی شدت میں کوئی نسبت ہی نہیں[42]۔ (گویا چھوٹے سے واقعے پر اتنی بڑی سزا کیوں؟)

کتاب کے چھٹے باب کا عنوان ہے The Prophet and Space اور ساتواں The Prophet and Women - ان دونوں ابواب میں مصنفہ نے واضح کیا ہے کہ مدینہ آمد کے بعد خواتین کے حقوق کے حوالے سے قرآن مجید میں احکام کا نزول شروع ہوا۔ ان کے مالی حقوق کے حوالے سے اہم ترین اقدام سورۂ نساء میں میراث میں ان کے حصے کا تعین تھا، جس سے مردوں میں بہت بے چینی دیکھنے میں آئی جو جاھلی رسوم و رواج کے عادی تھے۔ فاطمہ کے مطابق، پہلے انھوں نے اس حکم کو مسترد کیا، پھر نبی سے شکایت کی اور ان پر قانون کو تبدیل کرنے

کے لیے دباؤ ڈالا۔ جب یہ بھی کارگر نہ ہوا تو چونکہ نص کو وہ بدل نہیں سکتے تھے، مختلف حیلوں بہانوں سے انھوں نے اس حکم کو ٹالنا شروع کیا[43]۔ فاطمہ نے "ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما۔۔۔"[44] سے اسکی مثال دی ہے کہ طبری نے اس واضح حکم کی تفسیر میں انیتس اقوال نقل کیے ہیں،[45] جن میں سے بعض کے مطابق "سفہاء" چھوٹے بچوں اور عورتوں کو کہا گیا ہے۔ یہ صرف حکم پر عمل سے گریز کا بہانہ تھا۔

مزید برآں، اس وقت کے عرب معاشرے میں حصول دولت کے دو ذرائع تھے۔ میراث اور غنائم۔ چنانچہ فاطمہ کے خیال میں مال غنیمت کے حصول کے لیے خواتین نے غزوات میں شرکت کی خواہش بھی کئی دفعہ ظاہر کی۔ اس کے علاوہ بھی خواتین معاشرتی برابری کے معاملے میں اپنے حق کے حصول کے لیے کوشاں رہیں۔ نبی ﷺ ان کے حامی تھے، دوسری طرف مردوں کا محاذ قائم ہوا، جس کے سرخیل حضرت عمرؓ تھے۔ یہاں سے فاطمہ مرنیسی دیگر صحابہ پر پچھلے ابواب میں تنقید کے بعد، حضرت عمرؓ کو زد میں لینا شروع کرتی ہیں۔

مردانہ تعصبات اور دینی احکام:

آٹھواں باب "Umar and the Men of Madina" کے نام سے ہے۔ اس باب میں کافی متنازعہ نکات آئے ہیں مثلاً خواتین پر تشدد کا معاملہ، گھریلو زندگی میں خواتین سے اطاعت کا مطالبہ، غلامی اور خاص طور پر کنیزوں کا معاملہ، یہیں فاطمہ نے اس معاملے پر بھی بحث کی ہے جسے آج کا فیمی نزم (Marital Rape) یعنی ازدواجی عصمت دری کے عنوان سے تسلیم کروا چکا ہے۔ ان تمام مسائل میں فاطمہ کے خیال میں اللہ تعالی اور نبی ﷺ خواتین کے ساتھ انصاف و مساوات کے حق میں تھے لیکن حضرت عمر مردوں کے نمائندہ بن کر سامنے آئے اور اس بات کو محمد ﷺ سے تسلیم کروا لیا کہ "اسلام" خاندانی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ انھیں حسب سابق چلنے دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک خاتون اپنے شوہر کی مار پیٹ کی شکایت لائی اور بطور "حکم" نبی کریم ﷺ سے قصاص کا مطالبہ کیا۔۔۔ اور آپ چاہتے تھے کہ یہ مطالبہ پورا کریں لیکن وحی اتری اور مردوں کی "حمایت" کا فیصلہ ہوا۔

"During a violent dispute, an Ansari man slapped his wife. The injured women hurried to the Prophet and demanded that he, as hakam (that is, arbiter in the legal sense), apply the law of retaliation, and that he take action on the spot. Muhammad was preparing to make his decision to fulfill her request when the verse was revealed. God had decided otherwise. Muhammad realized that as an individual he could be conflict

with God. So the Prophet summoned the husband, recited the verse, and told him: “I wanted one thing, and God wanted another.”[46]

ثابت اس پوری بحث سے یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمر نے بطور مردوں کے نمائندہ عورتوں پر تشدد کی اس روایت کو جاری رکھنے کا جو ارادہ کیا، اللہ تعالی نے اس کی حمایت کر دی، دین کو اندرونی اختلافات سے بچانے کے لیے۔

“The women supported by the prophet (often, it is true, just by listening to them) and the male population with Umar as their spokesman, and this time God decided against his own prophet, the very survival of monotheism was threatened”.[47]

کتاب کے آخری دو ابواب میں خواتین کے پردے کے حوالے سے فاطمہ مرنیسی نے "اہم نکتہ" بیان کیا ہے کہ کیا مسلمان اور کیا منافقین، سبھی کو عورتوں کے حقوق اور آزادی سے مسئلہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کتنا عرصہ اس سب کی مزاحمت کر سکتے تھے۔ غزوہ احزاب کے بعد جب "افک" کا واقعہ ہوا تو ان کی مزاحمت (خواتین کی حمایت کے معاملے میں) ختم ہو گئی اور حضرت عمر کے اس اصرار، کہ خواتین پردے میں رہیں، کے سامنے آپ نے گھٹنے ٹیک دیے۔ یہ ہر طرح سے مشکل دور تھا۔ عمر گزرنے کے ساتھ آپ کمزور ہو رہے تھے۔ پانچ تا سات ہجری کا دور دفاعی لحاظ سے بھی مشکل دور تھا۔ مدینے کے معاشرے میں منافقین کا زور تھا۔ یہودیوں کی پیدا کردہ پریشانیاں تھیں اور اس پر مستزاد گھریلو مسائل۔۔۔ کہ امہات المؤمنین نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ ان حالات میں "پردے" کا مطالبہ تسلیم ہو گیا اور خواتین پابند کر دی گئیں۔ یہاں فاطمہ مرنیسی نے منافقین کی طرف سے "تعرض" یعنی خواتین کی سے چھیڑ چھاڑ کو بھی پردے کی وجوہات میں سے ایک شمار کیا ہے، لیکن ان کے خیال میں یہ تعرض مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے تھا۔ اپنی کتاب کے conclusion کے نام سے لکھے گئے چند صفحات میں فاطمہ نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد کمزوری کا عذر ختم ہو گیا تھا۔ خواتین پر جلباب اور پردہ "مسلط" کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی تھی۔

کتاب کے آخری باب میں فاطمہ مرنیسی لکھتی ہیں کہ وہ حجاب، جو مدینہ میں گلیوں میں ہونے والی بدامنی کی وجہ سے عورتوں پر لاگو کیا گیا تھا، آنے والی صدیوں میں ہمیشہ کے لیے ان پر ''مسلط'' ہو گیا۔

"From then on, women would have to walk the streets of uncaring, unsafe cities, ever watchful, wrapped in their jilbab. The veil, which was intended to protect them from violence in the street, would accompany them for centuries, whatever the security situation of the city.

Muslim women were to display their hijab everywhere, the vestige of a civil war that would never come to an end."[48]

اپنی کتاب کے آخری حصے میں فاطمہ نے ذکر کیا ہے کہ مسلم خواتین صدر اول سے اس پر احتجاج کرتی رہیں۔ ان میں ایسی خواتین ہمیشہ رہیں جو "برزہ "یعنی بے پردہ، کھلے عام پھرتی تھیں۔ فاطمہ نے یہاں سکینہ بنت حسین کی مثال دی ہے۔ "کتاب الاغانی" سے حوالہ دیتے ہوئے، کہ سکینہ بے پردہ رہتی تھیں، غیر مردوں کا ان کے گھر میں مستقل آناجانا تھا،ان مردوں سے وہ ملاقاتیں کرتی تھیں، کئی نکاح کیے،اطاعت کی جگہ وہ نکاح کی شرائط میں "نشوز "کا حق لکھواتی تھیں۔ اپنے شوہر کو انہوں نے عدالت میں گھسیٹ لیا کہ اس نے نکاح کی شرط کے برخلاف،ایک اور شادی کرلی تھی۔

آخر میں فاطمہ نے خواتین سے تقاضا کیا ہے کہ وہ عائشہؓ،ام سلمہؓ اور سکینہ بنت حسین کے نقش قدم پر چلیں جو اس کے خیال میں عورتوں کی آزادی، بے حجابی اور ان کے مساوی حقوق کی داعی تھیں۔[49]

اسماء برلاس1950:

قرآن مجید کی "تعبیر نو" کے حوالے سے پاکستانی نژاد مصنفہ اسماء برلاس کی کتاب "Believing Women" in Islam- Unreading Patriarchal Interpretations of the Quran" نے بھی عالمی شہرت حاصل کی ہے۔ انڈونیشی زبان میں مکمل کتاب ترجمہ ہوئی،اور دیگر سات زبانوں میں اس کے جزوی تراجم کیے گئے۔ نیویارک کے ایک لبرل آرٹس کالج کے شعبہ سیاسیات کی فیکلٹی ممبر اسماء برلاس، دنیا کے مختلف ممالک (بشمول مسلم ممالک)اور بہت سے علمی اور ابلاغی فورمز پر مدعو کی جاتی ہیں۔اسماء برلاس نے لاہور میں کنیرڈ کالج سے انگریزی ادب اور فلسفہ میں بی اے، پنجاب یونیورسٹی سے صحافت میں ایم اے اور امریکہ کی Denver University سے بین الاقوامی تعلقات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ پاکستان فارن سروس اور صحافت سے متعلق رہیں اور بالاخر 1983ء میں امریکہ میں سیاسی پناہ حاصل کی۔[50] اپنے پورے تعلیمی کیریئر میں علوم اسلامیہ کے کسی پہلو سے علمی تعلق کے بغیر،اس کتاب میں اسماء برلاس علوم اسلامیہ کی تاریخ اور متون پر تبصرے اور تجزیئے کرتی نظر آتی ہیں۔

مقصد تحریر:

مصنفہ نے مقدمہ کتاب میں کتاب لکھنے کا مقصد بیان کیا ہے۔۔۔ کہ بنیادی سوال اس پوری کتاب کا یہ ہے کہ کیا قرآن ایک پدر سری احکام پر مبنی "patriarchal " text متن" ہے یا پھر خواتین کی آزادی کا ضامن

ہے۔۔؟مصنفہ کے خیال میں چونکہ یہ کتاب عرب کے patriarchal معاشرے،اوراس نظریے کے حامل زمانے میں اتری،اسی طرح سمجھی گئی اور بیان کی گئی، چنانچہ آج کی مسلم خواتین کا "حق" ہے کہ وہ اس زمانے کی تشریح وتوضیح کو چیلنج کریں کیونکہ قرآن پڑھنے پر کسی کی "اجارہ داری" نہیں ہے۔خواتین کو مخاطب کرکے، قرآن مجید کے بلاواسطہ مطالعے کی ترغیب دیتے ہوئے،اسماء نے لکھاہے کہ اسلام کو بدنام کرنے والی تشریحات اور خواتین پر تشدد کی روایت کواسلامی سمجھ کر قبول کرلینا۔۔۔"لڑے بغیر جنگ ہار دینے کے مترادف ہے [51]."

اسماء برلاس کی اس کتاب کے دو حصے ہیں اور کل چھ ابواب۔ باب اول میں اس کتاب کے منہج کا تعارف اوراس منہج کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ باب کا عنوان ہے:

The Quran and Muslim Women
Reading Patriarchy Reading Liberation"

تیس صفحات پر مشتمل اس مفصل تعارفی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ قرآن، جو شدت کے ساتھ انصاف کا علمبردار ہے (stubbornly egalitarian)اس کا مطالعہ ماضی میں ہمیشہ پدرسری(patriarchy)نقطہ نظر سے کیا گیااور اس مطالعے کے ذریعے خواتین کا استحصال کیا گیا۔ حالانکہ مصنفہ کے خیال میں خواتین کی آزادی (liberation)کے جواز کے لیے بھی قرآن مجید سے دلائل فراہم کیے جاسکتے ہیں۔

قرآن مجید سے سیکولر اور فیمی نسٹ مطالبات کا جواز کیوں پیش کیا جائے۔۔۔لگی لپٹی کے بغیر مصنفہ نے واضح کیاہے کہ سیکولرز اور فیمی نسٹ خواتین وحضرات حقوق نسواں کے بارے میں کتنے ہی مطالبے اور اپنی ذاتی آراء پیش کرلیں، مسلم معاشروں اور حتی کہ خواتین میں بھی انھیں پذیرائی نہیں مل سکتی یہاں تک کہ وہ اپنے مطالبات کا جواز قرآن مجید سے حاصل کریں۔

"We, not only need to contest readings of the Quran that justify the abuse and degradation of women, we also need to establish the Legitimacy of liberatory readings. Even if such readings do not succeed in effecting a radical change in Muslim societies, it is safe to say that no meaningful change can occur in these societies that does not derive it's legitimacy from the Quran's teachings, a lesson secular Muslims every where are having to learn to their own detriment".[52]

مطالعہ قرآن کا طریقہ:

چونکہ مسلم معاشروں میں قرآن سے جڑے متون کے ذریعے ظلم اور استحصال کیا گیا۔ (sexual/ textual oppression) چنانچہ ضروری ہے کہ تفسیری اقوال، حدیث اور شریعت کی روشنی میں

قرآن کو پڑھنے کی بجائے،(text)یعنی متن قرآن کو اس کے context سے نکال کر خدا ہی کے بیان کی روشنی میں سمجھا جائے۔ مصنفہ کے بقول یہی اس کا منہج اور طریق تفسیر ہے۔

اسماء برلاس مطالعہ قرآن کا مجوزہ طریق کار، methodology یوں بیان کرتی ہیں:

* کلام الٰہی کو اسی میں بیان کردہ تصور توحید کی روشنی میں دیکھا جائے۔ واحد خدا شرک کو ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ مردوں کو اپنا نائب بنا کر عورتوں اور بچوں پر ان کی اطاعت فرض کرنا توحید کے منافی ہے۔
* چونکہ قرآن میں خدا کی صفت بیان کر دی گئی کہ خدا ظالم نہیں ہے۔۔۔ چنانچہ اس نے اپنے کلام میں عورتوں پر ظلم نہیں کیا نہ ان کے حقوق غصب کیے ہیں۔
* خدا کو Male ہونے کی حیثیت سے مردوں سے نسبت بھی نہیں ہے۔ قرآن میں اگر He کا لفظ آیا بھی تو بطور مذکر نہیں ہے۔ چنانچہ خدا کے کلام میں misogyny یا عورتوں کے لیے بے انصافی نہیں ہو سکتی۔
* کلام الٰہی کی کئی تاویلات ممکن ہیں۔ ان میں سے کچھ اچھی بھی ہیں اور کچھ ایسی بھی جو رد کرنے کے لائق ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں کہا گیا **الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه**۔۔۔ اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ کچھ تاویلات احسن نہیں۔
* صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک آیت کو 60،000 طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ یہاں مصنفہ کا کہنا ہے کہ گویا ہر شخص اپنے فہم اور ضرورت کے مطابق معنی اخذ کر سکتا ہے اور ان کی پیروی کر سکتا ہے۔
* قرآن سمجھنے کے لیے عربی سمجھنا بھی ضروری نہیں۔ ترجمہ دیکھیں، جو معنی اچھے لگیں اختیار کر لیں۔ عربی زبان کا جاننا نہیں، عقل و فہم کا استعمال ضروری ہے جس کی طرف قرآن نے توجہ دلائی ہے **(افلا تعقلون)**۔
* جیسے مرد قرآن کا مطالعہ اور تفسیر کر سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی قرآن کا مطالعہ اور اپنے طور پر تفسیر کر سکتی ہیں۔
* قرآن مجید کا مطالعہ عصر حاضر کے تناظر میں کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر حقوق نسواں، صنفی مساوات اور مردوں کے حقوق و اختیارات کے تصورات کے حوالے سے۔[53]

دینی متون اور مطالعہ قرآن میں ان سے استفادہ:

کتاب کے حصہ اول میں دوسرا اور تیسرا باب شامل ہیں۔ جو "مقدس متون" "sacred texts" سے بحث کرتے ہیں:

2. Text and textualities: The Quran, Tafsir and Ahadith.
3. Inter Textualities, Extra textual Contexts: The Sunnah, Sharia and State.

اس میں سے دوسرا باب تفسیری ادب اور حدیث نبوی ﷺ کی تشکیل وتدوین سے متعلق ہے۔ مصنفہ کے مطابق، صدر اول کے علماء کی بیان کردہ تفاسیر اور حدیث، دونوں بیرونی ذرائع تھے جن سے آج تک مطالعہ قرآن میں مدد لینا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ باب کے شروع ہی میں لکھتی ہیں کہ ان "مصادر" کو تنقیدی چھان بین کے عمل سے گزارنا ضروری ہے اور خاص طور پر خواتین کے حوالے سے احکام و معاملات دیکھنے کے لیے۔[54] قرآن جو اس لیے تھا کہ ہر نسل اسے پڑھتی اور اپنے زمانے کے مطابق مفہوم اخذ کرتی، اس کے فہم پر تفسیر اور حدیث کو فوقیت دے دی گئی۔ (امام) شافعی کے اصول اجماع کی روشنی میں دیکھا جائے تو تفسیری اقوال کو قرآن کے برابر کا درجہ (Equal Authority) حاصل ہے۔

تفسیر:

تفسیر ان "متون" میں سر فہرست ہے جو اسماء برلاس کے خیال میں قرآن کو سمجھنے کے لیے لازم قرار دیے گئے ہیں۔ یہاں مصنفہ نے لمبی بحث کی ہے جس کا خلاصہ نکتہ وار پیش کیا جاتا ہے:

* تفسیر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ایک تو قرآن کے الفاظ کے کئی طرح کے معنی اخذ کیے جا سکتے ہیں اور سمجھا جا سکتا ہے اور دوسرے مختلف زبانیں بولنے والی اقوام جب مسلمان ہوئیں تو انھیں بھی قرآن سمجھنے کے لیے تفسیر کی ضرورت پڑی۔
* یہ حکمرانوں کی ضرورت تھی کہ قرآن میں ممکن نہیں تو تفسیری اقوال میں اپنی مرضی کی آراء شامل کروا کر حکمرانی کو آسان بنائیں۔
* یہ تاریخ کے اس خاص دور میں قرآن کو سمجھنے کی کوشش تھی جو بعد ازاں نقد و نظر سے بالا قرار دے دی گئی۔

مصنفہ نے **John Burton** کے حوالے سے لکھا ہے:

55 "[It]came to be regarded as beyond question and doubt."

تفسیر میں مفسرین کے مزاج، خیالات، رجحانات، فنون اور مہارتیں، لغوی اور معنوی ترجیحات، ان کے فرقہ وارانہ اور مسلکی رجحانات، سب شامل ہو گئے اور یہ سب "قرآن پر بھی حاوی ہو گیا"۔ یہاں مصنفہ نے آمنہ ودود کا اقتباس نقل کیا ہے:

"It over shadowed the text upon which it was originally based."[56]

ایک دوسرا تبصرہ نقل کیا ہے:

"[It] became the peg on which sectarian and scholastic theologians were able to hang their own doctrines". [57]

* قرآن کو چھوڑ کر مفسرین کے اختلاف کی تطبیق کو مقصد بنا لیا گیا۔
* اسرائیلیات میں سے خاص طور پر عورتوں کی تنقیص وتذلیل کے حوالے سے روایات شامل کی گئیں۔

حدیث:

* دوسرا اہم موضوع حدیث ہے۔ حدیث کے عنوان کے تحت مصنفہ نے مسلسل مستشرقین کے نظریات بلکہ اقتباسات نقل کیے ہیں یا مسلمانوں میں سے متجددین اور فیمی نسٹ خواتین کے۔ (یہ مبحث ستر پچھتر فیصد اقتباسات پر مبنی ہے) خلاصہ جن کا یہ ہے کہ:
* حدیث متواتر تو ہے ہی بہت کم، وہ بھی قانونی پہلوؤں پر نہیں۔ باقی جتنی احادیث ہیں۔۔۔ آحاد ہیں۔
* حدیث، مسلم تاریخ کے ابتدائی دور میں موجود ہی نہیں تھی۔ مذہبی، تاریخی اور معاشرتی ارتقاء کے ساتھ ابتدائی دو صدیوں میں وجود میں آئی۔ روایت بھی ابتداءً زبانی تھی اور حقیقت میں اس زمانے کی تاریخ۔
* تفسیری ضروریات کے لیے بھی احادیث وضع ہوئیں۔
* اسلام میں حکومت کا کوئی مقرر کردہ نظام نہیں تھا، سوائے اس کے کہ وراثتی اقتدار کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا تھا۔ اسی طرح کلیسائی نظام کی طرح کا کوئی مذہبی نظام بھی نہیں تھا۔ حدیثیں اپنے پاس سے گھڑ کر مذہبی اور سیاسی دونوں نظاموں کی تشکیل بھی کی گئی اور انھیں دینی استناد اور تحفظ بھی دیا گیا۔
* عورتوں کے معاملے میں بھی یہی ہوا۔ جو misogynistic طرز عمل تاریخ کے اس دور میں مذاہب، بشمول عیسائیت ویہودیت اور عرب معاشرے کا تھا، اسی کو تفسیری اقوال میں سمو کر، دینی جواز بخشا گیا۔ عورتوں کے بارے میں وہ "ذخیرہ احادیث" اکٹھا ہوا جو نہ قرآن کے عمومی مزاج سے مناسبت رکھتا ہے، نہ نبی کریم ﷺ کا طرز عمل عورتوں سے ویسا تھا۔۔۔ مثلا یہ کہ وہ "ناپاک" ہیں، وہ جہنم میں اکثریت میں ہوں گی، وہ کم عقل، اخلاقی اور دینی اعتبار سے ناقص اور سیاست کے لیے ناموزوں ہیں۔۔۔

* بخاری کی چھ لاکھ احادیث کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ اس کثرت کی وجہ سے بعض اوقات احادیث، قرآن سے بھی متعارض ہونے لگیں تو (امام) شافعی نے حدیث کے تحفظ کے لیے فتوی دیا کہ قرآن اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو ترجیح حاصل ہو گی۔

وضع حدیث کی بات کرتے کرتے مصنفہ ایک عجیب نکتہ بیان کرتی ہیں (بحوالہ فاطمہ مرنیسی) کہ 70،000 احادیث میں سے صرف چھ، خواتین کے خلاف متعصبانہ (misogynist) احادیث صحیح ثابت ہوتی ہیں۔

"It is ironic that even though there are only 6 Ahadith accepted as sahih (reliable) out of a collection of 70,000 misogynist; it is these six that men trot out when they want to argue against sexual equality, while perversely ignoring dozens of positive Ahadith." [58]

* یہ درجنوں "مثبت" (positive) احادیث کیا ہیں: وہ احادیث جو عورتوں کے حق میں ہیں۔۔۔اور عجیب بات یہ ہے کہ ساری بحث، اول سے یہاں تک، اور پھر آخر تک وضع حدیث پر چل رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مثبت اور منفی کی تقسیم محترمہ نے کہاں سے اخذ کی ہے اگر حدیث ان کے خیال میں "موضوع" ہے۔؟

* بخاری کی 6 لاکھ احادیث ثابت کرتی ہیں کہ بہت کچھ عصر تدوین میں ہی شامل ہو گیا تھا۔ پھر مسلمانوں نے اسے اہمیت دی۔ Levy کا اقتباس نقل کرتی ہیں:

"…in spite of knowledge about the existence of a great body of forged "traditions" hadith grew into a valid source or "root" of Muslim law."[59]

* یہی وجہ ہے کہ بقول مصنفہ بعض لوگ حدیث کے مکمل رد کے حق میں ہیں۔ جبکہ باقی لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ تاریخ کے اس دور میں کیا کچھ قابل عمل تھا اور کیا آج بھی اس پر عمل ہو سکتا ہے؟

مصنفہ کی طرف سے آیت حجاب کی تفسیر:

تفسیری اقوال اور حدیث کے بارے میں ان خیالات کے اظہار کے بعد، مصنفہ نے قرآنی حکم حجاب کی تفسیر، مندرجہ بالا دونوں "استحصالی متون" یعنی تفسیری روایات اور حدیث نبوی کے بغیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ سورۃ احزاب کی آیات 59،60 اور سورۃ نور کی آیات 30۔31 کا تجزیہ کرتے ہوئے پہلے تو یہ دعوی پیش کیا ہے کہ:

* صرف نبی ﷺ کو حکم تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو پردے کے بارے میں کہیں، باقی مردوں کو نہیں تھا۔

"The both sets of Ayat are addressed only to the Prophet…not a universal mandate for all Muslim men"[60].

* نبی بھی بیویوں پر جبر نہیں کر سکتا تھا۔

"Not even the Prophet was given the right to force compliance upon his wives with any of the Quranic injunctions".[61]

* جلباب اور خمر کا عمومی مفہوم ایک ہی ہے۔ سینہ اور گردن ڈھانپنا۔

"Quran uses the words, Jilbab (cloak) and Khumur (shawl) both of which, in ordinary usage, cover the bosom and neck, not the face, head, hands and feet. The Quran does not mandate such a form of veiling in any Ayat."[62]

* سورہ نور اور سورہ احزاب کی آیات جاہلی سوسائٹی اور عبوری دور میں، جہاں لا قانونیت تھی، "پہچان" کے لیے اتریں کہ پردہ کرنے والی لونڈیاں نہیں اور ہر ایک کے لیے میسر نہیں۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ جب قانون کی حکمرانی ہو جاءے تو بھی عورتیں بند رہیں۔ مثلا مغرب نے ہراسمنٹ کے قوانین بنا کر اس صورت حال کو کنٹرول کر لیا ہے۔

* نتیجہ یہ کہ ،قرآن آج کے سیاق وسباق میں پڑھیں، تفسیر، حدیث اور سنت کے قدیم تصورات سے الگ کر کے پڑھیں۔ مصنفہ کے بقول حکم حجاب کے تحلیل و تجزیہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہمیں در حقیقت شریعت کی تشکیل نو اور تنقیدی اجتہاد کی ضرورت ہے۔

<u>شرعی قوانین:</u>

مصنفہ کی "تحقیق" کے مطابق شرعی قوانین خلفاء کی سرپرستی میں، اور ان کی منشاء کے مطابق تشکیل پائے۔ دلائل یہ ہیں:

* شریعت بھی ایک خاص زمانے کی تعبیر نصوص کا نام ہے۔

"In spite of its assumed religious authority and inviolability, the Sharia is not the whole of Islam but an interpretation of its fundamental sources as understood in a particular historical contest.[63] "

* اجتہاد کا دروازہ بند کر کے "اجماع" کو قبول کروانے اور اسے اجتہاد پر ترجیح دینے میں بھی ریاست کا ہاتھ تھا تا کہ بعد کے لوگ بھی نئی راہ نہ نکال سکیں۔

* Text, Sex and States کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتی ہیں کہ شرعی احکام کی ترتیب یوں ہے کہ ریاست کو سول سوسائیٹی پر، مردوں کو عورتوں پر، قدامت پسندی کو انصاف پر اور کچھ مذہبی متون اور ان کی methodology کو دیگر متون پر مستقل ترجیح دے دی گئی ہے۔

<u>خدا اور باپ کا مقام:</u>

چوتھے باب کا عنوان ہے:

"The Patriarchal Imaginary of Father/s; Divine ontology and the Prophets"

مصنفہ کے مطابق، قرآن نے باپ دادا کے دین پر چلنے سے منع کیا ہے۔ مثلا حضرت ابراہیمؑ اوران کے باپ کی مثال۔۔۔انھوں نے باپ کے معبودوں کو، باپ کی اتھارٹی کو رد کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ آپ میری پیروی کریں۔

"Challenging the very core of father right as it is structured in patriarchies." [64]

اسی طرح ابراہیم اوران کے بیٹے کا مکالمہ۔۔۔جب انھوں نے اس سے پوچھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ تمھیں قربان کر رہا ہوں۔۔۔ تمھاری کیا رائے ہے۔۔۔اور نتیجہ یہ ہے کہ:

Abraham does not rule over his son."[65]"

قرآن میں قصہ ابراہیم کا انقلابی سبق، اسماء برلاس کے خیال میں یہ ہے:

"The powerful allegorical expression in Abraham's story… to suggest that God's Rule to exist, the father's rule must either be broken (Abraham's father) or subordinated symbolically to God's Rule (Abraham as father) is indeed to say something revolutionary."[66]

* حضرت محمد ﷺ کے واقعات میں بھی یہی سبق ہے۔ان کے زمانے کے لوگوں کا عذر بھی یہی تھا کہ باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی پیروی کیسے اختیار کریں۔یہی بات حضرت موسیٰؑ کو فرعون نے کہی تھی۔
* اسی طرح رسول ﷺ کی زندگی میں شوہر کی حکمرانی کی مثال نہیں ملتی۔آپ کی بیویاں آزاد تھیں کہ پردہ کریں نہ کریں۔۔۔**(قرن فی بیو تکن)** میں یہ معنی لیے جاتے ہیں کہ چپ چاپ گھر میں رہیں حالانکہ اس کے "بصرہ" کی لغت میں معنی ہیں: "وقار اور سکون کے ساتھ رہنا"۔
* وہ آپ سے جھگڑا بھی کر لیتی تھیں اور اس معاملے میں اپنے باپوں (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنھما کی مثال دی ہے) کی بھی نہیں سنتی تھیں۔اس باب کے اختتام پر یہ نتیجہ نکالا گیا:

"If my reading is correct, then it becomes possible to say that The Quran is an anti patriarchal text, or at the very least, it can be read as one. Nonetheless, Muslims have not done so, both because of their own investment in patriarchy and because of their belief that the prophet's community is above interpretive error."[67]

پانچویں باب کا عنوان یہ ہے : The Quran, Sex/ Gender and Sexuality:

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: قرآن میں جہاں مجموعی خطاب ہے، مردوں عورتوں، دونوں سے ہے، مثلاً الناس، بشر وغیرہ۔ اور یہ بات کہ مرد پہلے، عورتیں بعد میں تخلیق ہوئیں، بائبل کی روایت ہے۔ دونوں خلافت کے منصب پر فائز کیے گئے، دونوں پر دینی ذمہ داریاں ہیں اور دونوں کے لیے اجر ہے۔ دونوں پر اخلاقی ذمہ داریاں بھی یکساں ہیں۔

* **مسلمانوں میں غلط فہمی ہے کہ** اخلاقی طور پر دونوں برابر، لیکن معاشرتی طور پر نہیں ہیں، مثلاً نکاح/طلاق وغیرہ کے قانونی معاملات میں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔[68] عیسائیت، یہودیت میں عورت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں تھا، وہاں سے اخذ کر کے مسلمانوں میں بھی یہ روایات نفوذ پذیر ہوئیں۔

* **غض بصر کی تعبیر:** یہ اگر مرد عورت کے لیے لازم ہے تو پردہ لازم نہیں ہو سکتا، ضروری تو مرد عورت دونوں کی modest dressing ہے۔ عورت کا جسم چھپانے کی چیز نہیں ہے۔

* خواتین شوہر کی ملکیت نہیں بن جاتیں عقد نکاح کے ذریعے، چنانچہ انھیں اجازت نہیں کہ اپنی بیویوں کو rape کریں۔

* **چھٹے باب** کا عنوان ہے: The Family and Marriage in Islam (اسلام میں نکاح اور خاندان)

* اس آخری باب میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ بظاہر لگتا ہے کہ نکاح اور طلاق میں مردوں کو اسلام نے اتھارٹی دی ہے، لیکن ایسا ہے نہیں۔

* اسلام نے دونوں صنفوں کو اس معاملے میں برابر رکھا ہے۔ نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں دونوں اپنی مرضی سے شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح طلاق میں بھی مردوں کو ضابطے کا پابند کیا ہے۔ عورتوں کو بھی حق طلاق دیا گیا ہے۔۔۔ اگرچہ خواتین کی اکثریت اسے استعمال نہیں کرتی۔

* دو آیات کی غلط تشریح کی جاتی ہے۔ "بیویوں کو مارنے کی آیت" (4:34) اور قوامیت رجال کی آیت (2:228)۔ قوامیت کی وجوہات میں سے اہم ترین خرچ کرنا ہے ورنہ انسان کی حیثیت میں تو سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر درجہ نہیں۔ پھر اگر مرد خرچ نہ کرے یا عورت خرچ میں حصہ ڈالے تو قوامیت کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ (انسانی حیثیت میں پہلے ہی برابر تھے اب معاشی حیثیت میں بھی برابر ہو گئے۔)

* عورتوں کو مارنا: سورۃ النساء کی درج بالا آیت میں درحقیقت مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں مصنفہ لفظ "ضرب" کے بہت سے معنی بیان کرتی ہیں، فیمی نسٹ خواتین اور دیگر مصنفین سے لے کر بھی، لیکن پھر بھی

مطمئن نہیں ہوتیں تو نتیجہ یہ اخذ کرتی ہیں کہ اس آیت میں ابہام ہے اور اسے ہر زمانے کے لوگوں پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ اپنے حالات کے مطابق اس کی مناسب تعبیر کر لیں۔

کتاب کا خلاصہ (postscript) یہ لکھا ہے کہ مصنفہ کے طریق تفسیر قرآن کو اختیار کر کے ہی مسلم خواتین جدید دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ جی سکتی ہیں۔

تجزیہ افکار:

ان خواتین کے افکار کا خلاصہ درج ذیل چند نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

1۔ مقصد ان مصنفات کی ساری کوشش کا یہ ہے کہ فیمی نسٹ تحریکوں کے مطالبات کے لیے استناد، نصوص سے فراہم کیا جائے۔اس باب میں میں قرآن مجید پر ان کا سب سے زیادہ انحصار ہے قرآن مجید کے کے احکام اجمالی ہیں اور تفصیل حدیث نبوی اور دیگر مصادر سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فیمنسٹ خواتین، ان دونوں کے علاوہ بھی، جن کا اس مقالے میں ذکر ہوا، سب متفق ہیں کہ قرآن ہمیں کافی ہے اور "دیگر" متون چونکہ آزاد مطالعے کی راہ میں رکاوٹ ہیں لہذا ان سے جان چھڑائی جائے۔ قرآن، ان کے مطابق سب کے لیے ہے، مرد، خواتین، عالم اور عامی، چنانچہ ہر کوئی خود پڑھے، اپنی مرضی اور ضرورت کے معنی اخذ کرے اور اس کے مطابق عمل کرے، نہ اسلام بگڑے گا نہ ایمان جائے گا۔ فاطمہ مرنیسی اعتراف کرتی ہیں کہ وہ دینی علوم کی ماہر نہیں ہیں (ص 217) اسما برلاس واضح کرتی ہیں کہ عربی ضروری نہیں، کوئی ترجمہ لے لیں اور قرآن پڑھ کر خود ہی سمجھ لیں۔ قرآن چونکہ عدل و مساوات پر 1 ۔ مقصد ان مصنفات کی ساری کوشش کا یہ ہے کہ فیمی نسٹ تحریکوں کے مطالبات کے لیے استناد، نصوص سے فراہم کیا جائے۔اس باب میں میں قرآن مجید پر ان کا سب سے زیادہ انحصار ہے قرآن مجید کے کے احکام اجمالی ہیں اور تفصیل حدیث نبوی اور دیگر مصادر سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فیمنسٹ خواتین، ان دونوں کے علاوہ بھی، جن کا اس مقالے میں ذکر ہوا، سب متفق ہیں کہ قرآن ہمیں کافی ہے اور "دیگر" متون چونکہ آزاد مطالعے کی راہ میں رکاوٹ ہیں لہذا ان سے جان چھڑائی جائے۔ قرآن، ان کے مطابق سب کے لیے ہے، مرد، خواتین، عالم اور عامی، چنانچہ ہر کوئی خود پڑھے، اپنی مرضی اور ضرورت کے معنی اخذ کرے اور اس کے مطابق عمل کرے، نہ اسلام بگڑے گا نہ ایمان جائے گا۔ فاطمہ مرنیسی اعتراف کرتی ہیں کہ وہ دینی علوم کی ماہر نہیں ہیں (ص 217) اسما برلاس واضح کرتی ہیں کہ عربی ضروری نہیں، کوئی ترجمہ لے لیں اور قرآن پڑھ کر خود ہی سمجھ لیں۔ قرآن چونکہ عدل و مساوات پر مبنی متن ہے، چنانچہ خواتین کے حوالے سے سارے حقوق یہاں ثابت کیے جا سکتے ہیں ۔ جو

زیادتیاں عورتوں پر دین کے نام پر ہوتی ہیں، مثلاپردہ کامسلط کیاجانا، گھر کو خواتین کا دائرہ کار قرار دیا جانا، مردوں کی قوامیت، نکاح وطلاق میں ان کے حقوق اور باپ اور شوہر کی اطاعت کا حکم اور ایسے ہی دیگر معاملات سے متعلقہ اسلامی احکام کی خود ساختہ تاویلیں کر کے ان فیمینسٹ خواتین نے اپنی تحریروں میں ان احکام سے گریز کا راستہ اپنے تیئں قران سے اخذ کیاہے۔

2۔ مصادر اسلامیہ پر ان خواتین کے نقد کو دیکھا جائے تو سب سے زیادہ شدت، حدیث نبوی کے معاملے میں نظر آتی ہے۔ مستشرقین کا کوئی اعتراض ایسا نہیں جسے ان خواتین نے نقل نہیں کیا۔ وضع حدیث، قبائلی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی اسباب کے تحت احادیث بنانا، حکمران اور وضع حدیث، حدیث کی زبانی روایت اور دو صدیوں کے بعد تدوین، احادیث کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، اور اس سے یہ ثبوت، کہ گویا یہ گھڑی ہوئی احادیث تھیں۔ دونوں خواتین مصنفات اپنے تحریروں میں مستشرقین کے پیش کردہ دلائل سے مدد لیتی ہیں۔ اسماء برلاس کی تحقیق حدیث کا ستر فیصد سے زائد حصہ مستشرقین کے پیش کردہ دلائل کے اقتباسات پر مشتمل ہے جس میں ساتھ ساتھ فیمی نسٹ خواتین کے افکار سے بھی مدد لی گئی ہے۔ فاطمہ مرنیسی کی کتاب 1991 میں شائع ہوئی، اسماء برلاس کی کتاب 2002 میں جب کہ مصطفیٰ اعظمی نے 1966 میں ہی مستشرقین کے ان دلائل کا رد اپنے تحقیقی مقالے میں کماحقہ کیا تھا، جس میں گولڈ زیہر، شاخت اور مار گولیتھ کے مصادر حدیث پر کیے گیے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے صحیفہ ہمام بن منبہ کی تدوین سے ثابت کیا کہ تحریری روایت حدیث دور نبوی اور دور صحابہ سے ثابت ہے۔ ڈاکٹر فواد سیز گن نے صحیح بخاری کے مصادر پر تحقیق کی اور ڈاکٹر ضیاالرحمن اعظمی نے حضرت ابوہریرہ کی مرویات پر داد تحقیق دے کر مستشرقین اور ان کے مسلم ممالک میں ہمنواؤں کو علمی طور پر پسپا کر دیا تھا۔ مستشرقین کی ہاں سے اپنی مرضی کے افکار کی خوشہ چینی کے شوق میں ان خواتین نے علمی روایت کو بھی پامال کیا ہے۔ علمی روایت کے ساتھ تو یہ بھی مذاق ہے کہ اصحاب نبی کے بارے میں بلا دلیل نامناسب الفاظ استعمال کئے جائیں۔ حد یہ کہ خواتین کے خود ساختہ حقوق ثابت کرنے کی کوشش میں اللہ سے بھی جانبداری منسوب کر دی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام، کہ وہ صحابہ کا عورتوں کے حوالے سے دباو برداشت نہیں کر سکے اور خواتین پر ظلم کی روایت کو خواہش کے باوجود تبدیل نہیں کر پائے۔ اعاذنااللہ من ذلک۔

3۔ اسی طرح تفسیر قران کا معاملہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں علوم القران کی اسی 80 انواع ذکر کی ہیں اور مفسر کے لیے پندرہ علوم کا جاننا ضروری قرار دیا ہے۔ لغت، نحو، صرف، معانی، بیان اور بدیع، قرات، اصول دین،

ناسخ و منسوخ اور فقہ و دیگر۔[69] ایک سادہ دنیاوی علم کے لیے بھی ماہرین کی رائے کو معتبر مانا جاتا ہے، یہاں پر ان خواتین نے علوم القرآن سے واقفیت کے بغیر اپنی آراء پیش کی ہیں۔ان علوم سے دونوں مصنفات کی لاعلمی قابل افسوس ہے۔اسباب نزول کے حوالے سے فاطمہ مرنیسی حکم حجاب کا جائزہ لے کر واضح کرتی ہیں کہ اسباب نزول اور حکم کی اس "شدت" میں کوئی نسبت نظر نہیں آتی۔اسماء برلاس اسباب نزول سے ثابت کرتی ہیں کہ بعض احکام، مثلاپردہ بھی اس خاص زمانے میں ان خاص اسباب کی وجہ سے تھا،اب نہ سبب باقی ہے نہ حکم باقی ہے۔مشورہ یہ ہے کہ ہراسمنٹ کے خلاف قانون بنائیے جیسا کہ مغرب میں ہوا،پردے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

4۔اسی طرح ان دونوں کتب میں قدامت پسندوں پر تنقید کے ساتھ اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔امت کے اہل علم متفق ہیں کہ اجتہاد وہ شخص کر سکتا ہے جو قران و حدیث کے لغوی واصطلاحی مفہوم سے واقف ہو اور مسائل ضروریہ کو ادلہء تفصیلیہ کے ساتھ جانتا ہو۔[70]

اجتہاد کا دروازہ بھی بند نہیں ہوا۔جدید طبّی، معاشی و معاشرتی مسائل میں اہل علم کا اجتہاد بھی جاری ہے اور اس کے ثمرات بھی،بے لگام اجتہاد کی اجازت کسی بھی شعبہء علم کی طرح دین میں بھی نہیں دی جاسکتی۔

5۔ سبھی اقتباسات کا تحلیل و تجزیہ ممکن نہیں۔مقالے کے اندر ضروری اقتباسات دے دیے گیے ہیں جو اپنے مدعا کو واضح کر رہے ہیں لیکن آخری اہم نکتہ یہ ہے کہ ان خواتین کے تتبع اور ان کی تعبیر نصوص کی روشنی میں مغرب کی پیروی کس حد تک ممکن ہے۔ مغرب کی عورت اور مرد نے بھی سیکیولرائزیشن کے راستے پر چل کر،اور دینی روایت سے زندگی کے ہر شعبے کو کاٹ کر،جو آزادی اور حقوق حاصل کیے ہیں کیا وہ واقعی مفید ہیں؟ کیا اسلام کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ان آزادیوں کا حصول ممکن ہے؟اور کیا مسلم معاشرے اس کو قبول کرنے پر راضی اور مطمئن ہو جائیں گے؟ مغربی دنیا کے LGBT کے جواز کے قوانین، خاندانی زندگی کا انتشار اور خود عورت کی زندگی کے مصائب میں اضافہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اسلام کے دامن رحمت میں رہنے پر راضی ہو کر ان قوانین کی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جو الہامی ہدایت کی روشنی میں ہمیں نصیب ہوئے ہیں۔دین کی تشریح ہر فرد کا بلا شبہ حق ہے، لیکن ضروری اہلیت کے ساتھ اور اتباع ہویٰ سے بالا ہو کر، ورنہ ایسی قلمی کاوشیں نہ دین کی اور نہ خواتین کی کوئی خدمت شمار کی جاسکتی ہیں۔

تجاویز وسفارشات:

1۔ عصر حاضر میں دنیا بھر میں حقوق نسواں کے حوالے سے خواتین میں شعور بیدار ہوا ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ مسلم خواتین میں اس شعور کو مثبت رخ دے کر معاشرے کے لیے مفید بنایا جائے۔

2۔ اقوام متحدہ کے دباؤ پر ممبر ممالک، خواتین کے حقوق کے بارے میں بعض قوانین کے نفاذ پر مجبور کیے جاتے ہیں۔ مسلم اقوام کو چاہیے کہ وہ اپنا یہ حق تسلیم کروائیں کہ دینی ضابطوں کے خلاف قانون سازی پر انہیں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ خواتین کے معاشرتی، معاشی اور اخلاقی حقوق کی خوش دلانہ ادائیگی کے لیے عمومی معاشرتی شعور کو بیدار کرنے کی بھی ضرورت ہے، صرف قانون یہاں کام نہیں آسکتا۔

4۔ خواتین کے مسائل کے حل میں معاشرے کی ذمہ داریاں، ہمارے علما اور دیگر اہم علم کے خطابات کا موضوع ہونے چاہیئں۔

5۔ اسلام میں عورت کے مقام، خاندان کی اہمیت اور خاندانی زندگی میں حقوق و فرائض کے اسلامی ضوابط، Comparative Women and Family Studies کے کورس کی صورت میں خاص طور پر علوم اسلامیہ کے نصاب کا حصہ بنائے جائیں تاکہ دیگر مذاہب اور تہذیب جدید کے ساتھ تقابل کی روشنی میں نئی نسل اسلام پر شرح صدر حاصل کرے۔

6۔ برقی ذرائع ابلاغ کی وجہ سے دین کی غلط تشریحات کی اشاعت اور ترسیل کو روکنا اب ممکن نہیں رہ گیا، کوشش یہ ہونی چاہیے کہ قرآن اور دینی تعلیمات کے جامع نصاب ابتدائی سے اعلیٰ تعلیمی مدارج تک شامل کیے جائیں تاکہ ہر درآمدی فکر کے پیچھے بھاگنے کی بجائے نوجوان مرد و خواتین دینی تہذیب و ثقافت پر فخر کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔

حوالہ جات وحواشی

[1] الاعراف 7: 157

[2] بخاری، بخاری محمد بن اسمعیل ، کتاب الجمعه ، بَابُ مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الجُمُعَةُ، وَعَلَى مَنْ تَجِبُ، رقم 902

[3] الطبقات الکبریٰ ، محمد بن سعد بن منبع، مکتبه الخانجی، قاہرہ، 2001، 186/8

[4] المجادله 58:2،1

[5] السنن الکبری للنسائی، کتاب التفسیر، باب قؤله (ان المسلمین والمسلمات) رقم الحدیث 11405

[6] بخاری، کتاب النکاح، باب اذا زوج الرجل ابنته وهی کارهة فنکاحه مردود رقم الحدیث 5139

[7] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب شفاعته النبی ؐ فی زوج بریره، رقم الحدیث 5283

[8] سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، رقم الحدیث 3533

[9] Encyclopedia of Feminist Theories, Edited by Lorraine Code, Routledge , London , 2000. P: 276

[10] Encyclopedia of Feminist Theories, Edited by Lorraine Code, Routledge , London , 2000. P: 276

[11] Interview Asma barlas, https:// en.qantara.de, retrieved on: Dec.22,2019

[12] مغرب اور عالم اسلام ایک مطالعہ، خرم مراد، منشورات لاہور، 2006، ص59-61

[13] Economist-com/special report/1994/0804/the-next-war-they-say ,by Brain Beedham, Retrieved on: December 2020,2019

[14] De Talebanizing Islam and creating trans cultural Spaces: Erich Kolig, p:116 The Teaching and Study of Islam in Western Universities,(Edited by Paul Morris) ,Routledge, New York, 2014, p: 116

[15] De Talebanizing Islam and creating trans cultural Spaces: Erich Kolig, p:116 The Teaching and Study of Islam in Western Universities,(Edited by Paul Morris) ,Routledge, New York, 2014, p: 131

[16] Women Rights and Islamic Family Law: Perspectives on Reform, edited by Lisa Welchman, Zed Books limited,` London, 2004, p:249

[17] Women in Islam and the Middle East, Edited by Ruth Roded, I. B. Tauris,New York 2008, p:116

[18] Neil, MacFarquchar, The New York Times ,nytimes-com/2007/03/25/US/25 Koran.html/,retrived on:December 20, 2019

[19] The New York Times, https/www.nytimes.com>world retrieved on:19 Dec 2019

[20]http://www.oxfordislamicstudies.com/Public/Home.html?url=%2Fapp%3Fservice%3Dexternalpagemethod%26method%3Dview%26page%3DHome&failReason=retrieved on: 16.11 2019

[21] The veil and the Male Elite: A Feminist Interpretation of Women's Right's in Islam, Fatima Mernissi, Basic books NewYork, 1991, Preface to the English edition , p: vi-ix.

[22] Ibid, p:11

[23] Ibid, P:16,17

[24] Ibid, P:24

[25] Ibid, P:23

[26] Ibid, P:vii

[27] Ibid, P:2

[28] Ibid, P:9

[29] Ibid, P:37

[30] Ibid, P:37

[31] Ibid, P:33,34

[32] Ibid, P:44,45

[33] Ibid, P:50

[34] Ibid, P:61

[35] Ibid, P:80

[36]Ibid, P:85

[37] Ibid, P:92

[38] Ibid, P:95

[39] Ibid, P:95
[40] Ibid, P:97
[41] Ibid, P:97
[42] Ibid, P:101
[43] Ibid, P:121

[44] النساء4: 5

[45] The veil and the Male Elite: A Feminist Interpretation of Women's Right's in Islam, Fatima Mernissi, Basic books New, York, 1991, p:126
[46] Ibid, P:155
[47] Ibid, P:145
[48] Ibid, P:191
[49] Ibid, P:189-195
[50] http:// faculty.ithaca.edu.abarlas, retrieved 0n:December 15,2019
[51] "Believing Women" in Islam, Unreading Patriarchal Interpretations of the Quran, Asma Barlas, University of Texas press, Austin, 2002, P: XI
[52] Ibid, p:3
[53] Ibid, p:14-20
[54] Ibid, p:37
[55] Ibid, p:39
[56] Ibid, p:39
[57] Ibid, p:39
[58] Ibid, p:46
[59] Ibid, p:48
[60] Ibid, p:55
[61] Ibid, p:55
[62] Ibid, p:55
[63] Ibid, p:74
[64] Ibid, p:111
[65] Ibid, p:116
[66] Ibid, p:118
[67] Ibid, p:127
[68] Ibid, p:148

[69] الاتقان فی علوم القران، علامہ سیوطی: 1/446-443، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

[70] حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ(مترجم مولانا عبد الرحیم)، قومی کتب خانہ، 1983، 1/700؛ اصول فقہ اسلام، سر عبد الرحیم، (مترجم مولوی مسعود علی)، ایجوکیشنل پریس کراچی، 1967، ص 189